شرح مثنوی مولانائے روم

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

گذشتہ سے پیوستہ

(۱۱) چوں رسید از راہ آں مردِ غریب اندر آوردش بہ پیشِ شہ طبیب
(۱۲) سوئے شاہنشاہ بُردش خوش بناز تا بسوزد بر سرِ شمعِ طراز
(۱۳) شاہ دید اورا و بس تعظیم کرد مخزنِ زر را بدو تسلیم کرد
(۱۴) پس بفرمودش کہ بر سازد ز زر از سوار و طوق و خلخال و کمر

غریب بمعنی مسافر، شمع بمعنی معشوق بطورِ مجاز، طراز نام ہے ایک شہر کا ملک ترکستان میں جہاں کی عورتیں خوبصورتی کے لئے مشہور تھیں، شمعِ طراز کنایہ ہے اُس کنیز سے۔ مخزن بمعنی خزانہ، سوار بمعنی کنگن، خلخال بمعنی جھانجھن یا پازیب، کمر بمعنی کمر بند یا پٹکا۔

جب وہ مُسافر منزل پر پہونچا تو حکیم مذکور اس کو بادشاہ کی خدمت میں لے گیا۔ اس کو بادشاہ کے پاس بڑے نازو انداز کے ساتھ لے جایا گیا۔ کیونکہ اسے اس کنیز کے اوپر نثار کرنا مقصود تھا۔ بادشاہ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اپنا خزانہ اس کے حوالے کر دیا۔ اور اس کو حکم دیا۔ کہ سونے کے زیورات مثلاً کنگن، گلوبند، پازیب اور کمر بند بنائے

(۱۵) ہم ز انواع اوانی بے عدد کاں چناں در بزمِ شاہنشہ سزد
(۱۶) زرگرفت آں مردو شد مشغولِ کار بے خبر از حالتِ آں کارزار

اوانی جمع ہے اِناء کی بمعنی برتن، نیز حکم دیا کہ طرح طرح کے بے شمار برتن بنائے جو بزمِ شاہی کے لائق ہوں اس زرگر نے سونا لیا اور اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔ اور اسے اپنی حالت زار کی مطلق خبر نہ تھی کہ میرے متعلق بادشاہ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔

(۱۷) پس حکیمش گفت کای سُلطانِ مہ آں کنیزک را بدیں زرگر بدہ
(۱۸) تا کنیزک از وصالش خوش شود آبِ وصلش دفعِ ایں آتش شود

اس کے بعد حکیم نے اس بادشاہ سے یہ کہا کہ اس کنیز کو اس زرگر کے حوالہ کر دو، تاکہ وہ اس کے وصال سے خوش ہو، اور وصل کا پانی اس کے فراق کی آگ کو بجھا دے،

(۱۹) شہ بدو بخشید آں مہ روے را — جفت کرد آں ہر دو صحبت جوے را
(۲۰) مدتِ شش ماہ می راندند کام — تا بصحت آمد آں دختر تمام

چنانچہ بادشاہ نے وہ کنیز اس زرگر کو بخش دی۔ اور ان دونوں خواہانِ صحبت کو ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا چھ ماہ تک دونوں اپنا مقصدِ دلی حاصل کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ کنیز بالکل تندرست ہو گئی،

(۲۱) بعد ازاں از بہر او شربت بساخت — تا بخورد و پیش آں دختر گداخت
(۲۲) چوں ز رنجوری جمالِ او نماند — جانِ دختر در وبالِ او نماند
(۲۳) چونکہ زشت و ناخوش و رخ زرد شد — اندک اندک از دلِ او سرد شد

اس کے بعد اس حکیم نے اس زرگر کے لئے ایک شربت تیار کیا جس کے پینے سے وہ زرگر روز بروز گھلتا چلا گیا۔ چونکہ بیماری سے اس کا حسن و جمال زائل ہو گیا۔ اس لئے کنیز کے دل سے اس کی محبت نکل گئی، چونکہ وہ بدصورت اور بدشکل اور زرد رو ہوتا چلا گیا۔ اس لئے وہ اس کنیز کے دل سے اُتر گیا۔ یعنی رفتہ رفتہ اس کنیز کا عشق کافور ہو گیا۔

(۲۴) عشقہائے کز پئے رنگے بود — عشق نبود عاقبت ننگے بود

اب یہاں سے مولانا ایک قاعدۂ کلیہ ارشاد فرماتے ہیں، کہ جس عشق کی بُنیاد حسن و جمالِ ظاہری پر ہوتی ہے وہ در اصل عشق نہیں ہوتا۔ بلکہ موجبِ رسوائی ہوتا ہے۔ یعنی اُس سے عاشق کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا انجام ہمیشہ ندامت ہوتا ہے۔ جب معشوق کسی وجہ سے بدصورت ہو جاتا ہے، تو عاشق اس سے متنفر ہو جاتا ہے۔ بلکہ افسوس کرتا ہے کہ میں کس حماقت میں مُبتلا ہو گیا تھا۔

(۲۵) کاش کاں ہم ننگ بودے یکسری — تا نرفتے بروے ایں بد داوری

ننگ بمعنی خجالت و ندامت، یکسری بمعنی بریک حالت یعنی کامل و دائم۔ بد داوری، بمعنی سختی یا عذاب اس شعر میں شارحین نے "وے" کا مرجع معین کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے اس کا مرجع زرگر کو قرار دیا ہے، اور بعض نے کنیز کو۔ لیکن میری رائے میں اس کا مرجع عشق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ عشق مجازی مذموم ہوتا ہے (جیسا کہ پہلے شعر سے ثابت ہے کہ عشقِ مجازی عشق نہیں ہوتا بلکہ ننگ یعنی ندامت و حسرت ہوتا ہے) لیکن جو عشقِ مجازی اپنے رنگ میں کامل اور پختہ ہوتا ہے۔ وہ بہر حال اس عشقِ مجازی سے بہتر ہوتا ہے، جو خام اور ناقص (چندروزہ) ہو، مولانا فرماتے ہیں کہ کاش کنیز کا عشق (اگرچہ مجازی تھا) اپنی جگہ پختہ ہوتا تو مجازی ہونے کے باوجود اس قدر ذلت اور رسوائی نہ ہوتی جو اس کنیز کے طرزِ عمل سے ہوئی کہ جب وہ زرگر بیماری کی وجہ سے بدصورت ہو گیا۔ تو اس کا عشق بھی ختم ہو گیا۔ خلاصۂ کلام اینکہ اگرچہ عشقِ مجازی مطلقاً مذموم ہے، لیکن عشقِ مجازی ناقص تو بہت زیادہ مذموم ہے۔

(۲۶) خوں دوید از چشم ہمچو جوے او — دشمنِ جانِ وے آمد روے او
(۲۷) دشمنِ طاؤس آمد پرِّ او — اے بسا شہ را بکشتہ فرِّ او

جب زرگر کو یہ محسوس ہوا کہ میرا حسن و جمال ظاہری میری ہلاکت کا موجب بن گیا۔ تو وہ زار و قطار رونے لگا۔
اس کے بعد مولٰنا نے دو مثالیں دی ہیں،
پہلی مثال یہ کہ طاؤس کے پَر اس کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں (عموماً پروں کے لئے اُس کا شکار کیا جاتا ہے)
اور دوسری یہ کہ اکثر بادشاہوں کی شان و شوکت اُن کی تباہی کا باعث بن جاتی ہے،

(۲۸) چونکہ زرگر از مرض بد حال شُد — وز گدازش شخص او چوں نال شد
(۲۹) گفت من آں آہوام کز نافِ من — ریخت ایں صیاد، خونِ صافِ من
(۳۰) اے من آں روباہِ صحرا کز کمیں — سر بُرید ندم برائے پوستیں
(۳۱) اے من آں پیلے کہ زخمِ پیلباں — ریخت خونم از برائے استخواں
(۳۲) آنکہ کُشتستم پئے مادونِ من — می نداند کہ نخُسپد خونِ من
(۳۳) برمن است امروز فردا بروے است — خونِ چوں من کس چنیں ضایع کے است

جب وہ سُنار شدتِ مرض سے مضمحل ہوگیا اور اس کا جسم بیماری کی وجہ سے گھل کر ریشۂ قلم (نال) کی طرح لاغر ہوگیا تو وہ کہنے لگا کہ میری مثال اس ہرن کی سی ہے، جسے صیاد، نافہ (مُشک) کی غرض سے بلا تامل ذبح کر دیتا ہے، یا اُس لومڑی کی سی ہے۔ جس کا سر پوستین کی خاطر بے تکلف قلم کر دیا جاتا ہے۔ یا اس ہاتھی کی سی ہے۔ جسے ہاتھی دانت (استخواں) کے لئے مار ڈالا جائے۔ جس شخص نے مجھ کو مجھ سے کمتر انسان یا نفع (مادونِ من) کے لئے قتل کیا ہے، شاید اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہے، کہ میرا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ جو ہلاکت آج مجھ پر وارد ہوئی ہے وہ کل مرے قاتل پر وارد ہوگی، میرا خون ضائع نہیں جا سکتا۔

نوٹ:۔ بعض شارحین نے 'مادونِ من' سے زرگر کا حسن و جمال ظاہری مراد لیا ہے،

(۳۴) گرچہ دیوار افگند سایہ دراز — باز گردد سوے او، آں سایہ باز
(۳۵) ایں جہاں کوہ است و فعلِ ما ندا — سوے ما آید نداہا را صدا

ان دو شعروں میں مولٰنا نے پاداشِ عمل کی مثالیں دی ہیں، فرماتے ہیں، کہ اگرچہ ابتدا میں دیوار کا سایہ دراز ہو جاتا ہے، مگر انجام کار پھر اسی کی طرف لوٹ کر واپس آ جاتا ہے، دنیا پہاڑ کی مانند ہے، اور ہمارے اعمال ندا کی طرح ہیں، جس طرح ندا کے بعد صدا ضرور پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر فعل کا نتیجہ (ثمرہ) ضرور مرتب ہوتا ہے

(۳۶) ایں بگفت و رفت در دم زیرِ خاک — آں کنیزک شد ز عشق و رنج پاک
(۳۷) یہ باتیں کرکے وہ زرگر فوراً انتقال کر گیا۔ اور وہ کنیز اس کے عشق اور رنج و غم سے پاک ہوگئی۔
(۳۸) زانکہ عشقِ مُردگاں پایندہ نیست — زانکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست
(۳۹) عشقِ زندہ در رواں و در بصر — ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر
(۴۰) عشقِ آں بگزیں کہ جملہ انبیاء — یافتند از عشقِ او کار و کیا

(۱۴) تو مگو ما را بداں شہ بار نیست — بر کریماں کارہا دشوار نیست

اس کینزے کے عشق کے زایل ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ مُردوں کا عشق پائدار نہیں ہوتا۔ دیکھ لو! کوئی شخص مر کر پھر ہمارے پاس واپس نہیں آتا۔ اس کے برعکس زندہ (خدا) کا عشق ہماری روح اور بصر میں تازگی بخشتا ہے لہٰذا اے مخاطب! اس زندہ (خدا) کا عشق اختیار کر جو ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور ہمیشہ تجھے اپنی محبت کی شراب پلاتا رہے گا۔ اُس زندہ (خدا) کا عشق اختیار کر جس کے عشق کی بدولت تمام انبیاء نے عزت اور بزرگی حاصل کی۔ اور یہ خیال مت کر کہ میں تو بہت حقیر اور مسکین ہوں، بھلا میری رسائی اس کے دربار تک کب ہو سکتی ہے، یاد رکھ! وہ کریم اور رحیم ہے، اور کریموں کے لئے کسی ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دینا کچھ بھی دشوار نہیں ہے۔ یعنی اگرچہ تم اپنی کوشش سے اس تک نہیں پہونچ سکتے۔ مگر وہ اپنے فضل و کرم سے تجھ کو اپنی طرف سے کھینچ سکتا ہے۔

در بیان آنکہ زہر دادن مرد زرگر را باشارت الٰہی بود نہ بہوائے نفس

(۱) کشتن آں مرد بر دست حکیم — نے پئے امید بود و نے زبیم
(۲) او نہ کشتش از برائے طبع شاہ — تا نیامد امر و الہام از الٰہ

یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ حکیم نے اس زرگر کو بیگناہ مار ڈالا مولانا اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں، کہ حکیم نے اس زرگر کو نہ تو بادشاہ سے انعام حاصل کرنے کی اُمید میں قتل کیا اور نہ بادشاہ کے غضب سے ڈر کر ایسا کیا۔ اور نہ بادشاہ کی طبیعت کی رعایت مقصود تھی، بلکہ محض الہام اور امر الٰہی کی وجہ سے ایسا کیا۔

(۳) آں پسر را کش خضر ببرید حلق — سر آں را درنیابد عام خلق

اگر اس کی مثال درکار ہو (کہ اولیاء اللہ بغیر امر الٰہی کچھ نہیں کرتے) تو خضرؑ کے فعل پر غور کرو کہ اُنہوں نے ایک بے گناہ لڑکے کو قتل کر دیا تھا۔ اس کی وجہ عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتی، اس شعر میں تلمیح ہے، اُس قصہ کی طرف جو قرآن مجید (۱۸ - ۷۴) میں مرقوم ہے، یعنی حضرت خضرؑ نے ایک لڑکے کو بیگناہ قتل کر دیا۔ اس پر حضرت موسیٰؑ نے اعتراض کیا، تو خضرؑ نے جواب دیا کہ میں نے یہ فعل اپنی مرضی سے نہیں کیا، بلکہ خدا کے حکم سے کیا ہے،

آنکہ از حق یابد او وحی و خطاب — ہر چہ فرماید بود عین صواب
آنکہ جاں بخشد اگر بکشد رواست — نائب است و دست او دست خداست

ان شعروں میں قتل کے جواز پر دلیل دی ہے، وہ یہ کہ یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ جو جان عطا کرتا ہے، وہ واپس بھی لے سکتا ہے۔ یعنی اگر خدا، جو خالق ہے، کسی انسان کو مار ڈالے تو جائز ہے، کیونکہ جو پیدا کر سکتا ہے وہ مار بھی سکتا ہے۔ اس پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ مار ڈالنے کا فعل خدا خود بھی کر سکتا ہے۔ اور اپنے نائب سے بھی

(باقی صفحہ ۹ پر دیکھئے)